کلام اقبال پر عربی ادب کے اثرات

از

محمد منور

عزیز احمد صاحب ''اقبال ــــ نئی تشکیل'' کے آخر میں لکھتے ہیں : ''اقبال کا پورا کلام پڑھنے کے بعد اقبال کے اطراف میں بہت کچھ پڑھنا پڑتا ہے ، رومی ، نطشے، برگساں ، فشطے ، الجیلی ، یونانی فلسفے ، اسلامی فلسفے ، قدیم ہندو فلسفے ، جدید یورپی فلسفے ، جرمن ، اطالوی ، انگریزی شاعری ، فارسی غزل ، اردو غزل ، اور سب کچھ پڑھنے کے بعد پھر اقبال کو پڑھئے تو ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ابھی اور بہت کچھ پڑھنا ہے'' ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس اور بہت کچھ میں عربی ادب بھی ایک بڑا اہم عنصر ہے ۔

عرب شعراء نے ایرانی شعراء پر جو اثر ڈالا وہ محتاج بیان نہیں ۔ فارسی کے ذریعے وہ اثر اردو میں منتقل ہوا ۔ بلکہ ہسپانوی مستشرق غارسیا غومس کے بقول تو ساری اسلامی شاعری پر عرب شعرا کے مضامین و افکار کی چھاپ ہے ۔ مستشرق مذکور کہتے ہیں کہ عرب کی زندگی بیشتر سفری تھی ، آج یہاں کل وہاں ، روز نئے چشموں اور نئی چراگاہوں کی تلاش ۔ چنانچہ ان کی شاعری کا بہت بڑا حصہ چھوڑی ہوئی منزلوں ، بچھڑے ہوئے راستوں ، دور افتادہ محبوباؤں ، گزر جانے والے قافلوں اور بے نشان مسافتوں کی روح اپنے اندر سموئے ہوئے تھا ۔ آگے چل کر اسی اثر کے تحت عربوں اور دیگر مسلمانوں کی شاعری میں کائنات ایک رواں دواں کارواں بن کر رہ گئی ۔ یوں گویا داستان زیست کا حرف آخر ہو اللہ باقی !

غارسیا غومس کے بیان میں مبالغے کا وافر حصہ شامل سہی تاہم اس امر سے انکار مشکل ہے کہ عرب شعراء کے محبوب مضامین نے اسلامی زبانوں میں شعر کہنے والے غیر عرب مسلم شعرا بلکہ اسلامی زبانوں میں شعر کہنے والے غیر مسلم شعراء کو بھی بہت متاثر کیا ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ غیر عرب شعرا بھی جو سرسبز و شاداب علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اور جن کی زندگی کو کارواں اور قافلے سے کوئی رابطہ نہ تھا بلکہ جو بعض اوقات بڑے شہروں کی بند گلیوں میں پیدا ہوئے اور

وہیں فوت ہوگئے وہ بھی اپنے کلام کے توسط سے شریک قافلہ نظر آتے ہیں ۔ عربی زبان کے ہسپانوی شعرا ہی کو لیجیے ۔ وہ سپین میں بیٹھے ہوئے ٹیلوں ، خیموں اور قافلوں کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ سپین سبزہ زاروں ، باغوں اور ندیوں کا ملک ہے ۔ وہاں شتر اور شتربانوں کی گنجائش کس قدر تھی ؟ وہاں وہ ریت اور ٹیلے کہاں تھے جو عرب کی جان ہیں ؟ ابن حزم اندلسی کہتا ہے :

تذکرت وداً للحبیب کأنّہ　　لخولۃ اطلال ببرقۃ ثہمد !!
وعہدی بعہد کان لی منہ ثابت　　یلوح کباقی الوشم فی ظاہر الید !

اصل بات یہ ہے کہ جغرافیائی ماحول کی طرح ذہنی ماحول بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے ۔ علم و فکر کے دھارے جس وطن سے پھوٹتے ہیں وہ علمی و فکری وطن ذہنوں میں بسنے لگتا ہے اور اس وطن کی فضا ذہن کی آب و ہوا بن جاتی ہے ۔

اقبال کو عربی ادب سے لگاؤ تھا ، عربی انھوں نے سید میر حسن سے پڑھی تھی جن کے بارے میں سرعبدالقادر نے دیباچہ بانگ درا میں تحریر کیا ہے کہ ''ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی اُن سے فارسی یا عربی سیکھے اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے ہیں''۔ فارسی زبان پر عبور حاصل کیا ۔ کوئی شبہ نہیں ، اردو زبان کی تحصیل بھی مکمل کی ۔ مگر حق یہ ہے کہ ان کی روح میں عربی کچھ زیادہ ہی سرایت کر گئی تھی ۔ عربی کا تعلق عرب سے تھا اور عرب اس لیے عزیز تھا کہ آنجا دلبرست ۔ گویا وہ سرزمین محبوب وطن ہونے کے باعث اقبال کے دل و دماغ میں بس گئی اور اس طرح یہ عنصر ان کے ذہنی ماحول کا ایک اہم حصہ بن گیا ۔ کون نہیں جانتا کہ وہاں کی زندگی مسلسل حرکت تھی ، اور مسلسل کاوش ، ہر قبیلہ اور ہر قبیلے کا ہر فرد ہر دم چاق و چوبند تھا ورنہ چراگاہ چھن گئی ، چشمے پر دوسروں نے قبضہ کر لیا اور زندگی کے وسائل زائل ہو گئے ۔ اس طرح عقیدت و ارادت کا جغرافیائی پس منظر اقبال کے نظام فکر کی ایک ضروری بنیاد بن گیا ۔ یہیں سے اقبال اور ٹیگور کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں ۔ دونوں کے اسلاف سابق ہم کیش تھے ، دونوں کے طبیعی جغرافیے اور سیاسی تاریخ میں کوئی نمایاں فرق نہ تھا مگر ذہنی جغرافیہ اور فکری تاریخ بدل گئی لہٰذا ایک میراث گوتم کا پاسبان بن گیا اور دوسرا میراث خلیل کا ، ایک کا فلسفہ سکونی ہے اور دوسرے کا حرکتی ۔

مگر اقبال کا یہ ذہنی ارتقاء تدریجی تھا ۔ بانگ درا کے پہلے دو حصوں میں عربی اور اسلامی اثرات کمتر ہیں ۔ یورپ سے لوٹے تو انداز فکر بدل گیا ، وہ قومیت سے ہٹے اور ملت کی طرف راغب ہو گئے ع سوئے مادر آ کہ تیمارت کند ۔ یہ سلسلہ بانگ درا کے تیسرے حصے اور اسرار خودی سے شروع ہوا اور پھر ارمغان حجاز تک رنگ بدل بدل کر جلوہ گر ہوتا رہا ۔ کلام اقبال پر عربی اثرات مختلف انداز

میں ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔ کچھ باتیں صاف اور صریح ہیں ، کچھ علامت بن گئی ہیں اور کچھ تصاویر خیالی ہیں ۔ صریحاً وہ عرب کو ''تمدن آفریں اور خلاق آئین جہانداری'' کہتے ہیں اور عرب صحرا نشینوں کو جہانگیر و جہان بان و جہان دار و جہان آرا قرار دیتے ہیں ۔ ان کے نزدیک عصر نو عربوں ہی کے خون کی لالہ کاری ہے :

عصر حاضر زادۂ ایام تست — مستی او از مئے گلفام تست
شارح اسرار او تو بودۂ ! — اولین معمار او تو بودۂ !

اور ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ :

مرد صحرا پاسبان فطرت است

لہٰذا وہ اس صحرا نشیں شیر کے دوبارہ ہوشیار ہونے کی بھی امید رکھتے ہیں جس نے پہلے صحرا سے نکل کے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا مگر یہ صریح باتیں ہیں ۔ لطف وہاں آتا ہے جہاں وہ عرب کی ادبی روح اپنے شعروں میں سمو دیتے ہیں ، جہاں ان کی تشبیہیں ، استعارے ، تلمیحیں اور خیالی تصاویر قاری کے ذہن کو عربی ماحول کی طرف منتقل کر دیتی ہیں ۔ یہاں یہ بات صاف ہو جانی چاہیے کہ کلام اقبال پر براہ راست قرآن و حدیث کا جو اثر ہے اس سے میں بحث نہ کروں گا ، وہ بذات خود ایک کتاب کا موضوع ہے ۔ میں یہاں عربی ادب کے بعض عناصر تک محدود رہوں گا ۔ جی چاہتا ہے کہ اس راہ میں بانگ درا کی نظم خضرراہ کے ایک بند کو رہبر بناؤں ۔ شاعر نے خضر سے پوچھا تھا :

چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد !
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردائے و دوش !

تو خضر نے جواب دیا تھا :

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگا پوئے دما دم زندگی کی ہے دلیل
اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں ، وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل

وہ سکوتِ شام صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں
اہلِ ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیریٔ کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

تشریحی اشاروں کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی - فضائے دشت میں بانگِ رحیل، ریت کے ٹیلے اور آہو کا بے پروا خرام، بے برگ و ساماں حضر اور بے سنگ و میل سفر، پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں وغیرہ وہ Images ہیں کہ ذہن کو عربی قصائد نگاروں کی طرف لوٹا لے جاتے ہیں - پانی کے چشمے اور سلسبیل والا شعر عربی اور اسلامی روح کا دل آویز امتزاج ہے - زنجیریٔ کشت و نخیل والا شعر بھی توجہ طلب ہے وہ اس لیے کہ اقبال نے جس آبادی کو پیشِ نظر رکھا ہے وہ بھی صحرائی آبادی ہے جہاں کی زنجیریں مختصر سی کھیتی باڑی اور نخلستان ہوتی ہیں - یہ تو واضح ہے کہ اقبال نے ان مناظر کو برائی العین نہیں دیکھا تھا، تیسری گول میز کانفرنس سے لوٹتے ہوئے وہ قاہرہ اور بیت المقدس میں ایک آدھ دن رکے ضرور تھے اور بس - حقیقتاً یہ خیالی تصاویر ہیں جو عرب شعرا کا عطیہ ہیں -

کاظمہ، نخیل اور بیت المقدس کے باعث ذہن اقبال کی مشہور نعتیہ نظم 'ذوق و شوق' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے - اس نظم کا آغاز اپنی معنوی خوبی جبھی واضح کرتا ہے کہ اسے عربی ادب کے آئینے میں دیکھا جائے :

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں — چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب — کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے — ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

ان اشعار میں کوہ اضم اور ریگ نواح کاظمہ کے اندر مدینہ مکرمہ کی یاد مضمر ہے - کوہ اضم وہ پہاڑی سلسلہ ہے جس کی وادی میں مدینہ مکرمہ آباد ہے - کاظمہ کو عربوں نے منزل محبوب کی علامت بنا لیا تھا، مثلاً شاعر کہتا ہے :

الم یبلغک ما فعلت ظباہ — بکاظمۃ شداۃ لقیت عمرا

چناں چہ صاحب قصیدہ بردہ امام بوصیری نے مدینہ شریف کی طرف کاظمہ،

کاظمہ ہی سے اشارہ کیا ہے ۔ ان کے مشہور قصیدے کا شعر ہے :

أم ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ　　أو أومض البرق فی الظلماء من اضم

کوہ اضم کے بارے میں ایک اور شاعر کہتا ہے :

بانت سعاد و امسیٰ حبلھا الصرما
واحتلت الغور والاجراع من اضما

ہمیں معلوم ہے کہ اقبال نے 'ذوق و شوق' کے بیشتر اشعار فلسطین میں کہے تھے ۔ مگر وہ عالم خیال میں نواح مدینہ مکرمہ کی سیر و زیارت کر رہے تھے ۔ درد ہجراں مضطرب کر رہا تھا ، دل میں دیار حبیب کے دیدار کا ذوق شوق انگیز تھا ، ارمان مچل رہے تھے ۔ روحانی قرب اور جسمانی بُعد عجیب بے سکوں لذت ، اور بڑی لذیذ بے سکونی کا عالم تھا ۔ بہرحال پیش نظر تھا سواد منزل محبوب ، لہٰذا ماحول نور کی ندیوں ، رنگ برنگ طیلسانوں ، اور مثل برنیاں نرم ریگ کی وجہ سے روشن ، رنگین اور ملائم ہو رہا تھا ۔ ٹوٹی ہوئی طناب ، بجھی ہوئی آگ اور گزر جانے والے قافلے عرب شعراء کے محبوب ترین مضامین ہیں ۔ کلام اقبال کا مطالعہ کرنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ عمر کے ساتھ ساتھ جوں جوں ان کی ذہنی شیفتگی بڑھتی چلی گئی توں توں کلام پر عربی اثرات کا بھی اضافہ ہوتا چلا گیا لہٰذا کاروان ، قافلہ ، زمام ، ناقہ ، مقام ، سبیل ، منزل طناب ، خیمہ ، نخل ، نخیل وغیرہ کلمات کا استعمال بھی تدریجاً بڑھتا گیا ۔ مثلاً :

بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر!
طناب از دیگراں جستن حرام است

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

اسی نظم ''ذوق و شوق'' کے یہ مصرعے دیکھیے :

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
مجھ کو تو یہ بھی خبر کہ ہے علم نخیل بے رطب

نخیل رطب ٹھیٹھ عربی پیرایۂ بیان ہے ۔ رطب پختہ کھجور کو کہتے ہیں ۔ محاورہ ہے أرطب النخل یعنی کھجور کا پھل پکنے لگا ۔ چوں کہ نظم کی فضا عربی ہے لہٰذا ایسے ہی کلمات اس میں رنگ بھر سکتے تھے جو اس فضا کی پیداوار ہوں ۔ کلمۂ نخیل سے ''خضر راہ'' کے درج کردہ بند میں بھی سابقہ پڑا تھا اور ''ذوق و شوق'' میں بھی یہی کلمہ اب ذہن کو ''مسجد قرطبہ'' کی طرف منتقل

کر رہا ہے ۔ ''مسجد قرطبہ'' کے بند بھی ''ذوق و شوق'' کی طرح غزل کی صورت میں چاتے ہیں اور عربی شاعری ہی کے انداز میں قافیے بے ردیف ہیں ۔ مسجد قرطبہ سے خطاب کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں :

تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار　　شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

یہ نظم سپین میں کہی گئی تھی مگر سپین کی جغرافیائی فضا کے بجائے عرب کا ذہنی ماحول اثر انداز تھا ، لہٰذا نظم کا مزاج عربی بن گیا ہے ۔ مسجد کے ستونوں کو ہجوم نخیل سے تشبیہ دی ہے اور وہ بھی صحرائے شام کے نخیل سے ۔ صحرائے شام کی شرط اس لیے مناسب تھی کہ مسجد کا بانی عبدالرحمان الناصر شام ہی سے آیا تھا ، وہی الناصر جس نے سرزمین اندلس میں کھجور کا پہلا درخت لگایا اور شام کے ہجوم نخیل کی یاد میں رو رو کر شعر کہے ۔ ان اشعار کا بھی آزاد ترجمہ ''بال جبریل'' میں موجود ہے ۔ اقبال نے عربوں ہی کے انداز میں مسجد قرطبہ کی وسعت و عظمت کے پیش نظر اسے ''حرم قرطبہ'' کہہ کر پکارا ہے ۔ اقبال سے کئی سو سال قبل ابن المثنیٰ نے اس مسجد پر جو شعر کہے تھے ان میں اسے باضابطہ حرم کعبہ سے تشبیہ دی تھی :

بنيت لله خير بيت　　يخرس عن وصفه الانام
حج اليه من كل أدب　　كأنه المسجد الحرام
كأن محرابه اذا ما　　حف به الركن والمقام

مسجد کی عبرت ناک فضا نے اقبال کو گردش فلک کے اصول لازوال کی طرف منتقل کیا اور وہ عروج و زوال اقوام و ملل پر غور کرتے اور یاس کی تاریکیوں میں امید کی شمعوں کا نظارہ کرتے دریائے کبیر سے خطاب کرتے ہیں :

آب روان کبیر ترے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب !

اس دریائے کبیر کے کنارے کبھی ابوبکر ابن اللبانہ الدانی (متوفی ۵۰۷ھ) نے بنو عباد کو یاد کیا تھا ۔ ''معتمد کی فریاد قید خانے میں'' ایک نظم بال جبریل کی زینت ہے جو محمد معتمد بن معتضد عبادی کے اشعار کا آزاد ترجمہ ہے ۔ معتمد کو یوسف بن تاشفین نے ۴۸۴ھ میں گرفتار کر کے بیڑیاں پہنائیں اور مراکش الغرب میں کوہ اطلس کے دامن میں بمقام اغمات قید کر دیا ۔ معتمد کی سخاوت ، جواں مردی ، مروت ، ادب نوازی اور خوش باشی کو اندلس کے معاصر و مابعد کے شعرا نے بڑے کرب کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ ابن اللبانہ دریائے کبیر کے کنارے بیٹھا ہوا کہتا ہے : ''اے دریا میں چشم تصور کی مدد سے دیکھ رہا ہوں کہ بنو عباد کی کشتیاں سمندر کی طرف جا رہی ہیں'' اور پھر وہ

اصول عروج و زوال کے غم انگیز خیالات میں کھو کر بنو عباس اور بغداد کی اوائلی شان و شوکت کو یاد کرنے لگتا ہے ۔ اقبال نے ہسپانیہ کے مسلم حکمرانوں کو عمومی رنگ میں بڑی محبت سے یاد کیا :

ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

مگر ابن اللبانہ نے بخصوصاً بنو عباد کی تعریف کی :

تبکی السماء بمزن راغ غادی علی السبہا لیل من ابناء عبادی
علی الجبال التی بدت قواعدھا و کانت الارض منہم ذات أوتادی

[ابر باراں صبح و شام سرداران نبی عبّاد پر اشک افشاں ہے ۔ وہ ان پہاڑوں پر اشک افشاں ہے جن کی بنیادیں دھڑام سے آ رہیں حالانکہ خود الٰہی کی وجہ سے زمین کو سہارے میسر تھے] خیر اقبال کا یہ مصرع کہ ع

بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

کسی عربی زبان کی چاشنی سے آگاہی رکھنے والے ہی شخص کے منہ سے نکل سکتا تھا ۔ بادہ رحیق ، تیغ اصیل ، نخیل نے ہمیں قرطبہ میں پہنچا دیا تھا ——— کھجور عربوں کی پھوپھی جان ہے ——— وہ اگر عربوں کی داستان سنائے تو اسے حق پہنچتا ہے ——— معاً جاوید نامہ میں مہدی سوڈانی کی زبان سے نکلوائے ہوئے کلمات یاد آ جاتے ہیں ۔ مہدی ساربان سے خطاب کرتے ہیں :

ناقہ مست سبزہ و من مست دوست
او بدست تست و من در دست دوست
آب را کردند بر صحرا سبیل
بر جبل ہا شستہ اوراق نخیل
ساربان یاراں بہ یثرب ما بہ نجد !
آں حدی کو ناقہ را آرد بوجد !

مہدی سوڈانی کا رخ بھی مدینہ طیبہ کی جانب ہے ۔ جلدی پہنچنا چاہتے ہیں ، باران رحمت ہو چکی ہوئی ہے ، ناقہ سبزے کے باعث رک رک جاتی ہے ——— پانی کی صحرا کے لیے سبیل لگا دی گئی ہے ، اور پہاڑیوں پر برگ نخیل دھل گئے ، مہدی سوڈانی کی زبان سے یہ کلمات کہلوانے کے لیے دینی اور عربی پس منظر سے آگاہی ضروری تھی ۔ عرب جاہلیت کے جذبات کی جو ترجمانی اقبال نے جاوید نامہ میں کی ہے لائق داد ہے ۔ جاوید نامہ میں طاسین محمد کا آغاز ''نوحہ' روح ابوجہل در حرم کعبہ'' سے ہوتا ہے ۔ عرب کو اپنے حسب و نسب پر کس قدر ناز تھا وہ غیروں کو کس قدر

ذلیل جانتے تھے ، اپنی زبان پر کس قدر فخر تھا اور دوسروں کی زبان کو کتنا گھٹیا سمجھتے تھے ـــــ چند شعروں میں ان اوصاف کا ملخص پیش کر دیا گیا ہے ۔ ابوجہل کو رسول خدا صل اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ شکایت ہے :

مذہب او قاطعِ ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب
قدر احرار عرب نشناختہ — با کلفتان حبش در ساختہ
ایں مساوات ایں مواخات اعجمی ست — خوب می دانم کہ سلماں مزد کی ست
ابن عبداللہ قریش خوردہ است — رستخیزے بر عرب آوردہ است
اعجمی را اصل عدنانی کجاست — گنگ را گفتار سحبانی کجاست
چشمِ خاصانِ عرب گردیدہ کور — بر نیائی اے زبیر از خاکِ گور ؟
اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر — خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر
گلۂ شاں را بگرگاں کن سبیل — تلخ کن خرمائے شاں را برنخیل
اے منات اے لات ازیں منزل مرو — گر ز منزل می روی از دل مرو
اے ترا اندر دو چشم ما وثاق — مہلتے ان کنتِ از معتِ الفراق

سحبان بن وائل عرب کا آتش بیان خطیب تھا ، زبیر بن ابی سلمی عرب جاہلیت کے تین چار چوٹی کے شاعروں میں سے ایک تھا ، ''ان کنت از معتِ الفراق'' امرؤالقیس کے معلقے کی طرف توجہ مبذول کر رہا ہے ـــــ یہ مصرعے تو خاص طور پر قدیم عرب ذہنیت کے آئینہ دار ہیں :

ع از قریش و منکر از فضل عرب
ع گنگ را گفتار سحبانی کجاست !
ع تلخ کن خرمائے شاں را برنخیل !

یہ تو چند سطور کی فضا کا معاملہ تھا ، ویسے اگر جاوید نامہ کے مواد اور پیرایۂ اظہار پر نظر ڈالی جائے تو احساس ہوگا کہ اس کتاب کے خاکے کا بھی حسب و نسب عربی ہے ۔ سیر افلاک اور مناظر بہشت پر اولیں مشہور کتاب ابوالعلا المعری کی ہے جس کا نام رسالۃ الغفران ہے ۔ معری سیر کرتا ہوا جنت میں پہنچتا ہے ، وہاں کئی ایسے شعرا حضرات سے ملاقات ہوئی جو عہد جاہلیت میں چل بسے تھے ، انھوں نے زمانۂ اسلام نہ دیکھا تھا ۔ معری حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ تم تو اسلام کی روشنی پھیلنے سے قبل وفات پا گئے تھے تمہیں جنت کیونکر مل گئی ؟ اس پر فرداً فرداً ہر ملاقاتی شاعر اپنے بخشے جانے کی توجیہ کرتا ہے ۔ زبیر کا اپنا موقف ہے ، امرؤالقیس کا اپنا جواب ہے ، عبید بن الابرص اپنے دلائل پیش کرتا ہے ـــــ معری کسی قدر متشکک تھا ۔ اہل دین کے تشدد سے اسے نفرت

تھی ، اس کے نزدیک خدا کا تصور اگر کچھ تھا تو وہ محض بےرحمی کا مظہر نہ تھا ـــــــــــ معری کے بعد محی الدین ابن عربی کی کتاب فتوحات مکیہ دوسیانی کڑی کا کام دیتی ہے ، فتوحات مکیہ میں سیر افلاک کے ساتھ ساتھ تمثیلی انداز بھی موجود ہے ـــــــــــ دانتے فتوحات مکیہ سے زیادہ متاثر ہوا ۔ اس ضمن میں اقبال نے ایک سے زیادہ مقام پر اشارے کئے ہیں ۔ گستاف لی بان نے اپنی کتاب Medieval Islam میں کھلے بندوں دانتے کی ابن عربی سے اثر پذیری کی طرف اشارہ کیا ہے ـــــــــــ جاوید نامہ میں چار طواسین ہیں : طاسین گوتم ، طاسین زرتشت ، طاسین مسیح اور طاسین محمد ، ظاہر ہے کہ یہ حلاج کی کتاب الطواسین کا اثر ہے ۔

بہر حال جاوید نامہ میں بھی رسالۃ الغفران جیسی ہی فراخدلی دکھائی گئی ہے ۔ کسی قوم کو یا سردارِ قوم کو مذہبی تنگ نظری کی بنا پر نذرجہنم نہیں کیا گیا ، اقبال نے جہنم کی جگہ زحل کے دریائے خون کا منظر پیش کیا ہے اور وہاں جعفر و صادق کو مبتلائے عذاب دکھایا ہے ، کسی غیر مسلم قوم کے کسی ہادی یا بزرگ یا فلاسفر کو ان کا شریکِ حال نہیں بنایا ـــــــــــ یہ تمغائے افتخار دانتے ہی کو حاصل تھا ۔ جعفر و صادق غدار تھے ، انہوں نے قوم و وطن کا اپنی خود غرضی کی بنا پر خون کر دیا تھا ، کروڑوں انسان ان کی وجہ سے غلامی کے قعرِ مذلت میں گر گئے تھے ، لہٰذا اقبال نے تنبیہاً کہا ہے :

این جہان بےابتدا بے انتہا ست بندۂ غدار را مولا کجاست

جعفران آں زماں ہوں یا صادقان ایں زمان ، بہرحال بےمولا ہی ہیں ، بےمولا ہی رہیں گے ۔

کلام اقبال کا مطالعہ کرتے ہوئے یوں تو عتبی ، معری ، عمرو بن کلثوم ، بوصیری ، کعب بن زہیر ، زہیر بن ابی سلمی ، امرؤالقیس ، معتمد وغیرہ شعرائے عرب کا ذکر یا نشان مل جاتا ہے ۔ مثلاً ارمغانِ حجاز میں اقبال نے عمرو بن کلثوم کا یہ شعر اپنے قطعہ کا جزو بنا لیا ہے :

صبنت الکاس عنا ام عمرو و کان الکاس مجراہا الیمینا !

اگر این است رسم دوستداری بدیوار حرم زن جام و مینا !

مگر بعض جگہ عربی شعروں کا پرتو نظر آتا ہے اور اس ضمن میں میں سمجھتا ہوں کہ اگر متنبی ، ابو تمام اور امرؤالقیس وغیرہ کے کلام کا بالتدقیق مطالعہ کیا جائے تو ممکن ہے زیادہ نشانات مل جائیں ، اثر پذیری بالکل قدرتی بات ہے ۔ مقالے کے آغاز میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ مطالعہ جس بھی ادب کا ہو وہ ذہن

پر اپنی فضا کا کچھ نہ کچھ نقش ضرور چھوڑ جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر اقبال کا یہ شعر ہے :

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

عرب جاہلیت میں تارک الدنیا راہبوں کی دور افتادہ جھونپڑیوں کے قریب رات کی تاریکیوں میں جھلملانے والے چراغ کی لو امرؤالقیس کے اس شعر میں ملاحظہ کیجئے :

تُضِیُٔ الظّلامَ بالعشیِّ کأنّها   منارۃُ مُمْسَی راھبٍ مُتبتّلِ

اسی مضمون سے متاثر اقبال کا قطعہ ہے :

شب این کوہ دشت سینہ تابے   نہ در وے مرغکے نے موج آبے
نگردد روشن از قندیل رہبان   تو میدانی کہ باید آفتابے

"پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں عربوں کو فرنگیوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی تلقین ان الفاظ میں کی ہے :

از فریب او اگر خواہی اماں   اشترانش را ز حوض خود براں

یہ مضمون زہیر بن سلمیٰ کا معلقے کا مضمون ہے ۔

وَمَنْ لم یَذُدْ عَنْ حوضِہٖ بسلاحہٖ
یُہدّمْ ومَنْ لم یظلمِ النّاسَ یُظْلَمِ!

اسرار خودی میں ایک شعر ہے جس پر بوصیری کا اثر ہے اور حاشیے میں خود اقبال نے اس امر کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے :

رونق از ما محفل ایام را   او رسل را ختم و ما اقوام را

بوصیری کا شعر ہے :

لمّا دعا اللہ داعینا لطاعتہٖ   اکرم الرُسل کنّا اکرم الامم

اقبال نے مسجد قرطبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا :

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
تو بھی جمیل و جلیل وہ بھی جمیل و جلیل

اس شعر کو پڑھتے ہی بانی مسجد قرطبہ عبدالرحمٰن الناصر کا شعر یاد آ جاتا ہے :

انّ البناءَ اذا تعاظَمَ قدرہ   اضحیٰ یدُلّ علی عظیمِ الشانِ

اسی مضمون کو ابوفراس حمدانی نے ایک اور رنگ میں ادا کیا تھا :

صنائعُ فاق صانعہا ففاتت   وغرسٌ طاب غارسُہا فطابا

اقبال نے والدہ مکرمہ کا جو مرثیہ کہا تھا اس کا آخری شعر ہے :

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اور ممالک میں بھی ممکن ہے لحد پر ''شبنم افشانی'' پیرایۂ دعا ہو مگر عرب کی سرزمین تو ازلی تشنہ سرزمین ہے لہٰذا عربوں کے یہاں یہ دعا انتہائی خلوص کی مظہر تھی کہ ''تیری قبر گیلی رہے'' ۔ ابو تمام نے اسی تصور سے محمد بن حمید طوسی حاکم موصل کے مرثیے میں یہ مضمون پیدا کیا تھا :

و کیف احتمالی للغیوث صنعیۃً باء سقائہا قبراً و فی لحدہ البحر

(میں اس قبر کو سیراب کرنے والے بادلوں کا احسان کیوں لوں جس قبر میں سمندر سویا پڑا ہو)

کوشش کی جائے تو ایسے کئی اور نشان مل جائیں گے جن سے واضح ہو جائے گا کہ اقبال کے ذہن نے عربی فضا کو کس حد تک قبول کیا تھا ۔

مضامین کے علاوہ اقبال کے کلام میں ایسے الفاظ بڑی کثرت سے مل جائیں گے جنھیں وہ کبھی کبھی ٹھیٹ عربی معانی میں استعمال کرتے ہیں مثلاً دلیل کو رہبر کے معنوں میں ، ادیب کو مؤدب اور اتالیق کے معنوں میں ، طلب کو تعاقب کے معنوں میں ، غریب کو نادر کے معنوں میں ، زحمت کو گھٹن کے معنوں میں ۔ ''زحمت'' کا استعمال دیکھئے ، ''موج دریا'' میں کہا ہے :

زحمت تنگئی دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعت بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

یہاں اگر زحمت کے عام معنی کلفت مراد لیے جائیں تو وہ مفہوم پیدا نہیں ہوتا جو گھٹن سے ہوتا ہے ۔

بہر حال بات وہیں آ کر ختم ہوتی ہے جہاں سے شروع ہوئی تھی اور وہ عزیز احمد صاحب کے کلمات تھے کہ اقبال کا پورا کلام پڑھنے کے بعد اقبال کے اطراف میں بہت کچھ پڑھنا پڑتا ہے :

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ نا خوردہ در رگ تاکست